محمد حنیف ندوی

تصوّف کے مابعد الطبیعی مسائل

علّامہ ابن تیمیہؒ کی اصلاحی سرگرمیاں

(۳)

تعلق باللہ اور تعلق بالناس ایک ہی کردار کے دو پہلو ہیں۔ خلوت کی شرعی حیثیت

خلوت و تجرد کی زندگی پر علّامہ کا سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے بالعموم اور آنحضرتؐ نے بالخصوص اس طریق کی تلقین نہیں کی، اور یہ نہیں بتایا کہ فرائض و واجبات کے شرعی و دینی طریق کے علاوہ ان بدعی وسائل کی بھی کوئی اہمیت ہے یا روح کے تزکیہ و تطہیر کے سلسلہ میں ان کو آزمانا بھی کسی درجہ میں ضروری ہے۔[1]

نامناسب نہ ہوگا اگر ہم اس مرحلہ پر خلوت کے بارہ میں دو ضروری باتیں عرض کر دیں۔ ایک یہ کہ خلوت گزینی کا یہ رجحان اہل تصوّف میں دائمی کردار کی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ اس کی حیثیت ریاضت و مجاہدہ کے لیے محض بمنزلہ ایک شرط کے ہے۔ جس سے مقصود یہ ہے کہ ایک صوفی تحلیہ اخلاق کے سلسلہ میں کچھ فرصتیں چاہتا ہے اور ایسے اوقات فراغ کا طالب ہوتا ہے کہ جن میں یہ یک سوئی اور دل جمعی کے ساتھ اپنی کمزوریوں پر غور کر سکے۔ اپنے ذوق عبودیت کو چمکا سکے اور ذکر و عبادت سے قلب و ذہن کو آراستہ کر سکے۔

اور پھر جب تربیت کا یہ مقصد پورا ہو جاتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ خلوت و

---

[1] تلخیص رسالہ العبادات الشرعیہ مرتبہ علّامہ ابن تیمیہ مطبوعہ المنار مصر

تجرد کے اس زنداں سے نکلے اور خلق اللہ کی اصلاح کے درپے ہو۔

دوسری چیز جس کی بہت سے بلند پایہ صوفیاء نے تصریح کی ہے یہ ہے کہ خلوت کے معنی لازماً خلوت مکانی کے نہیں بلکہ عین مصروفیات کے عالم میں ایسے پُرسکون لمحوں کو چرا لینے یا پالینے کے ہیں جن میں ایک سالک دنیا سے دین کی طرف اور مخلوق سے خالق کی طرف لوٹ سکے۔ اور تہذیب و تمدن کی گہما گہمی اور رونق سے قطع نظر کر کے توجہ و التفات کے رخوں کو اپنے آقا و مولا کی طرف موڑ سکے۔ خلوت و جلوت کے ان دونوں پہلوؤں کا ہم قران رہنا اس لیے ضروری ہے تاکہ نہ تو دنیا کے مشاغل تصوف و سلوک کی راہ میں حائل ہو سکیں اور نہ ذکر و فکر کے مشغلے تہذیب و تمدن کی تیز رفتاریوں کو روک ہی سکیں۔ شاید قرآن نے اس آیت میں اسی پاک نہاد گروہ کا ذکر کیا ہے:

الذین یذکرون اللہ قیاماً وقعوداً وعلیٰ جنوبھم ویتفکرون فی خلق السموات والارض (آل عمران ۱۹۱)

جو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں۔ اور آسمان اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں۔

اختلاف و نزاع کا تیسرا امکنۂ کشف۔ رازی و سہروردی کی تعبیر

کیا کشف علم و ادراک کا یقینی سرچشمہ ہے؟ اور کیا سالک کا قلب و ذہن عبادت و مجاہدہ سے معرفت کی ایسی سطح پر فائز ہو جاتا ہے جہاں حقائق کونیہ و شرعیہ کے رازہائے درون پردہ ان پر منعکس ہونے لگیں؟ اختلاف و نزاع کا یہ تیسرا امکنۃ ہے جس نے علامہ ابن تیمیہ کی طباعی اور ذہانت کو خصوصیت سے صوفیاء کے خلاف ابھارا اور آمادۂ پیکار کیا ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے کن کن خطرات اور مفاسد کی نشاندہی کی ہے اور منطق و حکمت کے کن کن جواہر پاروں کو بساط بحث پر بکھیرا اور بچایا ہے، ان کو تفصیل کے ساتھ پیش کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ نفس مسئلہ کے بارہ میں اختصار سے کچھ عرض کر دیا جائے۔

لغۃً کشف کے معنی کھولنے یا کسی حقیقت کو واضح کرنے کے ہیں۔ فلسفہ و تصوف کی اصطلاح میں اس سے مراد سکر و سرمستی کے ایسے لمحے ہیں جب کسی شخص کی محدود "انا" پھیل کر غیر محدود "انا" سے اپنا رشتہ استوار کر لیتی ہے۔ اور ایسے عجیب و غریب حقائق و کیفیات سے اسے دوچار ہونا پڑتا ہے کہ عام حالات میں جن سے دوچار ہونا ممکن نہیں۔

کیا فی الواقع ایسا ہونا ممکن ہے؟ یا واضح تر لفظوں میں یوں کہنا چاہیے کہ کیا غیب کے ان خزائن تک ظلوم و جہول انسان رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ کشف تحقیق و طلب کی اسی خلش کا مثبت جواب ہے۔

حالت کشف تک سالک کس طرح اور کیوں پہنچتا ہے؟ اس کو رازی نے فلسفہ کے رنگ میں اور سہروردی نے تصوف کی اصطلاحوں میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

رازی کہتے ہیں:

فاذا بلغت الریاضات حد ما عنت له خلسات من اطلاع نور الحق علیه کانها بروق تومض الیه۔[1]

جب ریاضت و مجاہدہ کی کیفیتیں ایک خاص حد تک پہنچ جاتی ہیں تو سالک نور حق کی جلوہ آرائیوں سے بہرہ مند ہوتا ہے۔ اس کے یہ لمحے اتنے مختصر ہوتے ہیں اور اس تیزی سے گذر جاتے ہیں کہ گویا اس کے سامنے کچھ بجلیاں سی چمک گئی ہیں۔

العارف قد یخبر عن الغیب و یدل علی امکانه وجوه اجمالیة احدها لما راینا الانسان قد یعرف الغیب حال المنام لم یبعد ان یقع مثله حال الیقظة۔

و ثانیها حصول ذلك الجمع فی الیقظة کالعمیا التی حکی ابو البرکات

---

[1] کتاب الاشارات ـ مصنفہ فخر الدین محمد بن عمر الرازی طبعہ ثانیہ مطبع الخالطی مصر، ص ۱۲۱

البغدادی حالها

وثالثها۔ ان قد دللنا علیٰ ان الحوادث الارضیۃ مستندۃ الی الحرکات السماویۃ المستندۃ الی النفس۔ التی ھی عالمۃ بالکلیات والجزئیات فتلک النفس ھی السبب لھٰذہ الحوادث الارضیۃ ۔ ۔ ۔ ۔ ثم دللنا ان النفس الناطقۃ جوھر مجرد لھا ان تنتقش بما فی العالم النفسانی من النفس بحسب الاستعداد وزوال الحائل۔[1]

عارف کبھی کبھی امورِ غیب کی نشاندہی بھی کرتا ہے۔ اس کے امکان پر چند اجمالی دلائل یہ ہیں:

۱۔ جب ہمارا یہ مشاہدہ ہے کہ انسان نیند کے عالم میں غیب کو پا لینے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو بیداری کی حالت میں اس کا وقوع پذیر ہونا مستبعد نہیں۔

۲۔ یہ کیفیت عام بیداری میں بھی حاصل ہو سکتی ہے جیسا کہ ابوالبرکات بغدادی نے ایک نابینا عورت کے بارہ میں بیان کیا ہے۔

۳۔ ہم بدلائل یہ ثابت کر چکے ہیں کہ حوادث ارضیہ، ان حوادث سماویہ کا نتیجہ ہیں کہ جن کا اصل سبب نفس ہے جو کلیات و جزئیات کو اپنے احاطۂ علم میں لیے ہوئے ہے۔ پھر اس چیز کو بھی ہم دلائل کی روشنی میں ثابت کر چکے ہیں کہ نفس ناطقہ جو ہر مجرد سے تعبیر ہے اور اس میں وہ تمام کیفیات ارتسام پذیر ہو سکتی ہیں جو اس نفس میں جلوہ کناں ہیں۔ استعداد شرط ہے اور یہ ضروری ہے کہ دونوں کے درمیان کوئی مانع نہ ہو۔

---

[1] لباب الاشارات، مصنفہ فخر الدین محمد بن عمر الرازی۔ طبعہ ثانیہ مطبع الخانجی مصر، ص ۱۲۱

امکان کشف پر دلائل کی نوعیت

جس طرح تصوف اللہ تعالیٰ کے فیوض ربوبیت سے استفادہ کا قائل ہے۔ اسی طرح فلسفہ بھی عقل فعال سے ربط و تعلق کو علم و ادراک کا ایک منبع قرار دیتا ہے۔ چنانچہ رازی جب یہ کہتے ہیں کہ ریاضت و مجاہدہ سے قلب اس قابل ہو جاتا ہے کہ نور حق کی جلوہ آرائیوں کا مہبط قرار پا سکے تو وہ اسی فلسفہ کی ترجمانی کرتے ہیں۔ ان کا یہ دعویٰ تین دلائل پر مبنی ہے:

۱۔ پہلی دلیل صرف امکان کو ظاہر کرتی ہے۔ کون نہیں جانتا کہ خواب میں ایک عنصر ایسا رمزیاتی (Symbolic) بھی ہوتا ہے جو تعبیر طلب ہوتا ہے۔ یعنی اس میں آئندہ وقوع پذیر ہونے والے واقعات و حالات کی ایک نمایاں جھلک ہوتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر اطلاع علی الغیب کی صلاحیتیں نفس انسان میں نہیں ہیں تو خواب میں ذہن ان کو افسانہ و تصوّر کے رنگ میں کیونکر دیکھ لیتا ہے۔

۲۔ دوسری دلیل کا تعلق مشاہدہ و خبر سے ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے اشخاص بھی پائے جاتے ہیں جو مستقبل کے بارہ میں حیرت انگیز طور پر ٹھیک ٹھیک باتیں بتا دیتے ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ نفسِ انسان کا بیداری کے عالم میں علم پیشین سے بہرہ مند ہونا نہ صرف ممکن ہے بلکہ عین واقعات کے بھی مطابق ہے۔

۳۔ اگر پرانی، دور از کار رفتہ طبیعیاتی اصطلاحوں کو حذف کر دیا جائے تو تیسری دلیل سے دو باتیں بہر حال ثابت ہوتی ہیں۔ اوّل یہ کہ اس عالم کون و مکان کے جملہ تغیرات پہلے سے علم کی سطح پر کہیں موجود ہیں۔ دوم یہ ہے کہ نفس انسانی جو اپنی اصل فطرت میں مجرد اور غیر مادی ہے ریاضت و مجاہدہ سے دوبارہ تجرید کے اس مقام اصلی کو پالیتا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ علم الٰہی کے اسرار اس پر منکشف ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔

اسی حقیقت کو سہروردی نے یوں بیان کیا ہے:

وھٰذا الذی ذکرہٗ اصل عظیمٌ کبیرٌ فی الباب وسر غفلہ عن حقیقتہٖ

من اهل السلوك والطلاب وذلك ان المجتهدين والمتعبدين سمعوا عن سلف الصالحين المتقدمين وما منحوا به من الكرامة وخوارق العادات فابدأ نفوسهم لا تزال تتطلع الى شيء من ذلك فيحبون ان يرزقوا ذلك ولعل احدهم يبقى منكسر القلب متهما لنفس فى صحة عمله حيث لم يكاشف بشيء من ذلك ولو علموا سر ذلك لهان عليهم الامر فيعلم ان الله يفتح على بعض المجاهدين الصادقين من ذلك بابا و الحكمة فيه ان يزداد وبما يرئ من خوارق العادة فاثار القدرة تفنناً فيقوى عزمه على هذه الزهد فى الدنيا..... وقد يكون بعض عباده يكاشف بصدق اليقين ويرفع عن قلبه الحجاب ومن كوشف بصدق اليقين اغنى بذلك عن رويته خرق العادات....[1]

یہ چیز جس کا انھوں نے ذکر کیا ہے اس باب میں بہت بڑی بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ ایسا راز ہے جس کو پا لینے میں اہل سلوک اور طالبانِ حق نے غفلت برتی ہے۔ بات یہ ہے کہ مجاہدہ وعبادت کے شائقین نے صلحائے متقدمین کے بارہ میں سن رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انواع واقسام کی کرامات اور خوارق سے نواز رکھا تھا۔ اس سے ہمیشہ ان لوگوں کے دلوں میں شوق چٹکیاں لیتا رہتا ہے اور یہ چاہتے ہیں کہ اے کاش انھیں بھی ان خوارق سے بہرہ مند کیا جاتا۔ اور شاید اگر انھیں مکاشفہ کے اس انعام سے نہ نوازا جاتا تو یہ شکستہ قلب رہتے اور اپنے اعمال کی صحت سے متعلق انھیں بدگمانیاں سی رہتیں۔

اور اگر کرامات اور مکاشفہ کا راز ان پر کھل جائے تو معاملہ بالکل آسان

---

[1] عوارف المعارف۔ بحوالہ قاعدة فى المعجزات والكرامات۔ رسالہ ابن تیمیہ، ص ۸

ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ مجاہدہ و ریاضت کو صدقِ دل سے انجام دینے والوں پر کبھی کبھی خوارق کا کوئی باب وا کر دیتا ہے تاکہ یہ جب ان انعامات کو دیکھیں، ان خوارق اور عجیب و غریب آثارِ قدرت کا مشاہدہ کریں تو ترکِ دنیا پر ان کا عزم اور قوی ہو کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ کے بعض بندوں کو مکاشفہ کے ذریعے صدقِ یقین کے مقام پر فائز کیا جاتا ہے۔ اس صورت میں شک اور تردد کے تمام حجابات اٹھ جاتے ہیں۔ جس کو یہ مقام حاصل ہو جائے وہ خوارق و کرامات کی طلب سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

سہروردی مکاشفہ کے سلسلہ میں تین اہم نکات کی تشریح کرنا چاہتے ہیں۔ ایک یہ کہ مکاشفہ اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا سلوک اپنے بندوں سے غفلت و بے گانگی پر مبنی نہیں ہے بلکہ اس کی رحمتیں، اس کی ربوبیت اور فیوض التفات ہمیشہ ایسے اشخاص کی تلاش و جستجو میں رہتے ہیں جو اس کی طرف رغبت و شوق کے قدم بڑھا سکیں۔ لہٰذا ایک سالک کے دل میں اس کی طلب و آرزو غیر طبعی نہیں ہے۔ بالخصوص جب یہ دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سلف صالحین میں متعدد حضرات کو اس التفاتِ خاص سے نوازا ہے تو اس کے دل میں مکاشفہ و کرامات کے لیے بے اختیار خواہش و تمنا کے داعیے ابھرنا شروع ہو جاتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ کرامات و خوارق کے اس ظہور کا بنیادی مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس طرح طالبانِ حق کا شوقِ عبادت اور بڑھے اور عبودیت و بندگی کے جذبات میں اور اضافہ ہو یعنی مکاشفہ و کرامات کی یہ لذتیں سالکانِ طریقت کے دلوں کو دنیا کے لذائذ کی طرف سے برگشتہ اور بے نیاز کر دیں۔

تیسرا نکتہ سلوک و معرفت کی راہ پر گامزن ہونے والوں کے لیے بمنزلہ ایک مژدۂ جانفزا کے ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ عبادت و زہد اور مجاہدہ و سعی کی اصل غرض و غایت یہ ہونا چاہیے

کہ سالک کو یہ یقین حاصل ہو کہ وہ جس منزل کی طرف رواں ہے وہ صحیح ہے۔ جس معبود حقیقی کو اپنی زندگی کا نصب العین ٹھہرائے ہوئے ہے وہ برسرِ حق ہے اور یہ کہ اس کو پانے، اس کے قرب و حضوری سے بہرہ مند ہونے کی غرض سے جس زہد و ورع کو اس نے اپنا رکھا ہے وہ ہر طرح کے شک و تردد سے بالا ہے۔

یہ یقیناً اگر حاصل ہو جائے تو تنہا یہ اتنی بڑی نعمت، اتنا بڑا خارقہ اور عظیم کرامت ہے کہ اس کے بعد اور کسی شئے کی حاجت نہیں رہتی۔ یعنی اس عالم سفلی میں اس سے بڑھ کر اور کیا معجزہ ہو سکتا ہے کہ اللہ کا ایک بندہ دولت کو چھوڑ کر، عزت و جاہ کو ترک کر کے اور دنیا و ما فیہا سے دست کش ہو کر اس کی تلاش، طلب اور عشق الٰہی میں سرگرداں ہے اور یقین رکھتا ہے کہ اس کا یہ سودا ہرگز خسارہ کا سودا نہیں ہے۔

وجدان و حدس منبع ادراک کی حیثیت سے

رازی و سہروردی کے ان بیانات پر ہم کوئی اضافہ کرنا نہیں چاہتے۔ ہاں اتنا البتہ کہیں گے کہ سائنس سے پیدا شدہ مزعومات کا طلسم اب ٹوٹ رہا ہے اور علم و ادراک کو جو ان لوگوں نے حسیات و تجربہ کے محدود و تنگ زنداں میں محصور سمجھ رکھا تھا اس کے خلاف اب اچھا خاصا ردعمل علمی حلقوں میں رونما ہونے لگا ہے۔ اور پڑھے لکھے اور ذوق سے آشنا حضرات بغیر کسی جھجک اور تامل کے اس حقیقت کا اعتراف کرنے لگے ہیں کہ جہاں استقراء و تخریج کے قاعدے ہتھیار ڈال دیتے ہیں اور فکر و استدلال کا اشہب رواں تھک ہار کر بیٹھ جاتا ہے وہاں اکثر وجدان و حدس (Intuition) کی تیز رفتاریاں ایک ہی جست میں حقائق و معارف کو پا لینے میں کامیاب ہو جاتی ہیں۔ یہی نہیں تاریخ شاہد ہے کہ علوم و فنون کے ارتقاء میں وجدان و حدس کا جو عظیم حصہ ہے وہ صغریٰ و کبریٰ پر مشتمل مقدمات کا نہیں۔ اسی حقیقت کو بتغیرِ اسلوب یوں بھی بیان کر سکتے ہیں کہ فکر و نظر کے گوہر ہائے یک دانہ اکثر بغیر کسی قصد و ارادہ، اور ترتیب موضوع و محمول کے سطح وجدان پر خود بخود چمکے اور علم و ادراک کا عنوان بنے ہیں۔

ہمارے نزدیک وجدان وحدس ذہن وقلب کی محض ایک خصوصیت (Quality) ہے۔ اور اس کی خصوصیات ابھی ایسی بھی ہیں کہ جنھیں معرضِ ظہور میں آنا اور دنیائے مادیت میں ہلچل مچانا ہے۔ اے کاش کائنات مادی کی طرفہ طرازیوں پر مٹا ہوا اور عجائب آفاق سے مرعوب اور متحیر انسان انفس وارواح کی پُر بہار وادیوں کی طرف بھی کبھی عنان توجہ کو پھیر سکے۔ اور دیکھ سکے کہ اس کے لطائف وخوارق کا کیا عالم ہے۔ نیز وہ اس بات کا مشاہدہ کر سکے کہ اس کی پہنائیوں میں جو ایٹم، پنہاں ہیں ان میں قوت وقدرت کی کتنی مقدار مضمر ہے۔ ضرورت ایسے پڑھے لکھے صوفیاء کی ہے جو تصوف وسلوک کے جملہ تجربات سے براہِ راست دوچار ہوں۔ پھر اس کے نتائج ثمرات اور کشوف کو علم وفن کی واضح، مرتب اور سمجھ میں آنے والی زبان میں بیان کر سکیں۔

یہ ضرورت اس وقت زیادہ اہمیت اختیار کر لیتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ متصوفانہ لٹریچر میں واردات وحالات کے لیے جس پیرایہ بیان کو اختیار کیا گیا ہے وہ حد درجہ غیر واضح، ناکافی اور غلط فہمیاں پیدا کرنے والی زبان پر مبنی ہے۔ اس لیے جب تک موجودہ علوم وفنون میں منجھے ہوئے حضرات اس لذت سے آشنا نہیں ہوں گے۔ اور ان احوال وکشوف کا علمی سطح پر تجزیہ نہیں کریں گے تصوف رموز واسرار (Symbols) کی حد سے آگے بڑھ کر اس پوزیشن کو حاصل نہیں کر سکے گا کہ یقین ووضاحت کے ساتھ کوئی بات کہہ سکے۔

کشف کی قطعیت پر علامہ کے اعتراضات

علامہ ابن تیمیہ کشف کے منکر نہیں اور نہ افاضہ وتحدیث ربوبیت کی اہمیتوں ہی سے ناواقف ہیں۔ ان کے نزدیک جو چیز قابل اعتراض ہے وہ یہ ہے کہ بعض صوفیاء نے کشف کو علم وادراک کا قطعی ذریعہ ٹھہرا رکھا ہے۔ حالانکہ وہ قطعی نہیں اور بعض نے تو غنوصیت (Gnosticism) کے حامی حکماء کی تقلید میں اس کو علوم نبوت کے حریف کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ کشف ایک نوعیت کا روحانی اجتہاد ہے۔ پھر جس طرح اجتہاد اپنی تگ وتاز اور نتائج کے اعتبار سے قطعی نہیں ہوتا۔ ٹھیک اسی طرح کشف میں بھی لغزش وخطا کا امکان برابر لگا

رہتا ہے۔ شرائع میں قطعیت اور حزم و یقین صرف علوم نبوت کا حصہ ہے:

والمحدث ان کان یلھم و یحدث من جھۃ اللہ تعالیٰ فعلیہ ان یعرض ذلک علی الکتاب والسنۃ فانہ لیس بمعصوم۔ کما قال ابو الحسن الشاذلی قد ضمنت العصمۃ فیما جاء بہ الکتاب والسنۃ ولم تضمن العصمۃ فی الکشوف والالھام[1]

محدث کو اگرچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام و تحدیث کی نعمتوں سے نوازا جاتا ہے تاہم اس کے لیے ضروری ہے کہ ان چیزوں کو کتاب اللہ اور سنت رسول کی کسوٹی پر اچھی طرح پرکھ کر دیکھ لے اس لیے کہ صوفی کبھی بھی مقام عصمت پر فائز نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ابو الحسن شاذلی نے تصریح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب و سنت کی عصمت کا ذمہ تو لیا ہے کشوف الہامات کی عصمت کا نہیں۔

کشف کی قطعیت پر علامہ نے ایک اور پہلو سے بھی حملہ کیا ہے۔ ان کا دعوٰے ہے اور بالکل بجا دعوٰے ہے کہ صحابہ بالخصوص حضرت صدیقؓ اور فاروقؓ کا درجہ اولیاء سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اس لیے کہ انھوں نے علوم دین کو براہ راست مشکوٰۃ نبوت سے حاصل کیا۔ جب کہ ان صوفیاء کے مبلغ علم کی حیثیت محض ثانوی درجہ کی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان حضرات نے اپنے اجتہادات کو کبھی بھی حرف آخر قرار نہیں دیا۔ اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ کا یہ ارشاد کس درجہ تواضع اور حقیقت لیے ہوئے ہے،

ما یدری عمر اصاب الحق ام اخطاء۔[2]

عمر نہیں جانتا کہ اس نے حق کو واقعی پالیا۔ یا اس سے خطا و سہو کا ارتکاب ہوا۔

---

[1] الحجج النقلیہ والعقلیہ، ص ۱۱۸

[2] ایضاً

علامہ غالی قسم کے صوفیاء کی اس تعلی سے پوری طرح آگاہ ہیں کہ اولیاء کا علمی ماخذ براہ راست اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہے جب کہ انبیاء شرائع کو ملائکہ یا جبریل امین کی وساطت سے حاصل کرتے ہیں۔

ان کا کہنا ہے کہ صحیح قسم کے ولی کے لیے تو ضروری ہے کہ وہ پیغمبر کی وساطت ہی سے دینیات کا علم حاصل کرے۔ اور پھر اگر ولایت کے ساتھ ساتھ اسے تحدث و مکالمہ کے شرف سے بھی بہرہ مند کیا گیا ہے تو اس کی صحت و استواری کو جانچنے کے لیے کتاب اللہ اور سنتِ رسول پر اسے پیش کرنا لازمی ہے

فان الولی لا یاخذ عن اللہ الا بواسطۃ الرسول اللہ وان کان محدثا قد القی اللہ شیئ وجب علیہ ان یزنہ بما جاء بہ الرسول من الکتاب والسنۃ

ولی تو رسول کے ذریعہ ہی دین کی نعمتوں سے مالامال ہوتا ہے۔ اور اگر وہ محدث ہے اور اس پر کسی حقیقت کا القاء ہوا ہے تو لازم ہے کہ اس القاء کی قدر و قیمت کتاب اللہ اور سنت رسول کی روشنی میں متعین کرے۔

علامہ کا ذہن نبوت و ولایت کے حدود و امتیاز کے سلسلہ میں بالکل صاف ہے۔ ان کے نزدیک علم و ادراک کا وہ قطعی سرچشمہ اور ہدایت و ارشاد کا وہ یقینی منبع جس کا تعلق لوگوں کی اصلاح و تزکیہ سے ہے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ خاص ہے اور اس باب میں کوئی ولی اور کوئی قطب و بدل ان کا شریک اور ساجھی نہیں۔ اسی طرح اس سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے کہ جن کے فیوض و تربیت کی وسعتیں تقرب الی اللہ کی تمام شکلوں کو اپنی آغوش میں لیے ہوئے ہیں۔ لہٰذا کسی شخص کو حق حاصل نہیں کہ اصلاح و تزکیہ کی کسی منزل میں ان کی اطاعت و پیروی سے روگردانی اختیار کر سکے۔ علوم و اعمال اور سیرت و کردار میں جو مرتبہ بھی انسان کو پانا ہے یا جو مقام بھی حاصل کرنا ہے اس کے لیے آں حضرتؐ کے نقوش پا کا تتبع کرنا ہوگا۔

محمد رسول اللہ تعالیٰ الی جمیع الثقلین ۔ انسھم وجنھم، عربھم و عجمھم ملوکھم وزھادھم الاولیاء منھم وغیر الاولیاء فلیس لاحدٍ الخروج عن متابعتہ باطنا وظاہراً ولا عن متابعۃ ماجاءبہ من الکتاب والسنۃ ... الخ

آنحضرتؐ کی رسالت دونوں جہانوں کے لیے ہے۔ انسان، جن، عرب، عجم، بادشاہ، زہاد، اولیاء، اور غیر اولیاء، کوئی بھی ان کی حدودِ اطاعت سے باہر نہیں۔ کسی کے لیے بھی یہ جائز نہیں کہ ان کے حلقۂ اطاعت سے دامن کشاں ہو۔ نہ امور باطن میں اور نہ ظواہر شریعت میں۔ نہ کسی کے لیے یہ جائز ہے کہ آں حضرتؐ نے جو کتاب وسنّت کی صورت میں پیش کیا ہے اس کی پیروی سے انحراف اختیار کرے چاہے اس کا تعلق چھوٹی سے چھوٹی بات سے یا بڑی سے بڑی بات سے ہو۔ نہ علوم میں نہ احوال میں۔ فکر وعمل کے کسی گوشے میں بھی آپؐ کی پیروی کے بغیر چارہ نہیں۔

ولایت کے اسلامی تصور سے متعلق علاّمہ کا ذہن کسی الجھاؤ یا غلط فہمی کا شکار نہیں۔ ان کے نزدیک رتبہ ودرجہ کی یہ نوعیت نبوّت کے تابع ہے اور اس کا مطلب محض یہ ہے کہ اللہ کا ایک بندہ، اس کی اطاعت وپیروی میں کس درجہ اخلاص رکھتا ہے اوامر ونواہی کو کس درجہ توجہّ اور لگن کے ساتھ ادا کرتا ہے اور اس کی سیرت وکردار کے گوشے کس درجہ ———————————— روشن وبلند ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان چیزوں کو امور کونیہ میں تصرف یا کشف حقائق سے کوئی تعلق نہیں۔ ولایت کے بارہ میں اگر یہ سیدھا سادہ تجزیہ صحیح ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک شخص اگر کتاب اللہ اور سنت رسول کی رو سے سچا اور مخلص قسم کا مسلمان ہے اور اس سے کسی نوع کا تصرف یا کشف ظاہر نہیں ہوتا تو کچھ حرج نہیں۔ اس سے اس کے مرتبہ دینی میں قطعاً خلل پیدا نہیں ہوتا۔

فاعلم ان عدم الخوارق علماً وقدرة لاتضر المسلم فی دینہ فمن لم ینکشف لہ شیٔ من المغیبات ولم یسخر لہ شیٔ من الکونیات لاینقصہ ذالک فی مرتبتہ عند اللہ[۱]

تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ خوارق کا، کشف یا تصرف اشیاء کی صورت میں ظاہر نہ ہونا، کسی مسلمان کے دین کو ضرر پہنچانے والا نہیں۔ اس لیے اگر کسی شخص کو مغیبات کا علم حاصل نہیں یا کونیات میں کسی شے کو وہ مسخر نہیں کر سکا تو اس سے عند اللہ اس کا مرتبہ دین قطعی گھٹ نہیں جاتا۔

اور اس کے برعکس اگر ایک شخص تسخیر کی شعبدہ طرازیوں سے لیس ہے اور کشفِ احوال سے بہرہ مند ہے مگر لطائف دین اور محاسن شرع سے محروم ہے تو اس کی ہلاکت میں کیا شبہ ہے۔

اما الکشف والتاثیر فان لم یقترن بہ الدین ہلک صاحبہ فی الدنیا والاخرۃ[۲]

اگر کشف اور تاثیرات کونیہ کے ساتھ دین اقتران پذیر نہ ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ شخص دنیا و آخرت میں برباد ہوا۔

کشف کو علم و ادراک کا یقینی اور مستقل بالذات ذریعہ قرار دینے میں بہت بڑا مفسدہ یہ ابھرتا ہے کہ اس طرح معرفت کا یہ اسلوب جو ظنی ہے اور سراسر علوم نبوت کے تابع ہے وحی کا مدمقابل بن جاتا ہے اور اس حیثیت سے فکر و نظر کے سامنے آتا ہے کہ گویا بغیر پیغمبر کی وساطت و توسل کے اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی سے ہے۔ یہی وجہ ہے بہت سے بدخو و غلط صوفیاء یہ کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ ہمیں انبیاء پر تفوق و برتری حاصل ہے اور ہم واسطہ و توسل کے ان تمام پردوں کو ہٹا کر براہِ راست لوح محفوظ سے اخذ علوم کرتے ہیں۔

---

[۱] قاعدۃ فی المعجزات والکرامات، مجموعہ رسائل ابن تیمیہ، مطبوعہ المنار مصر، ص ۹

[۲] ایضاً، ص ۱۳

ثم ان ھؤلاء لما ظنوا ان ھذا یحصل لھم عن اللہ بلا واسطۃ صاروا عند انفسھم اعظم من اتباع الرسول۔ یقول احدھم فلان عطیۃ علی ید محمد وانا عطیتی من اللہ بلا واسطۃ۔

پھر یہ لوگ جب یہ گمان کرتے ہیں کہ انھیں یہ علم اللہ تعالےٰ سے بلا واسطہ حاصل ہوا ہے تو اپنے کو رسولؐ کی اطاعت و پیروی سے اونچا قرار دینا شروع کر دیتے ہیں۔ ان میں کے بعض برملا یہ کہتے ہیں کہ فلاں کا علم تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا رہین منت ہے اور میں نے بلا کسی واسطے کے یہ اللہ سے حاصل کیا ہے۔

اور اس انداز فکر کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ لوگ اسلام کی پیروی و اطاعت کے جوئے کو اپنی گردنوں سے یہ کہہ کر اتار پھینکتے ہیں:

پنجہ در پنجۂ خدا داریم　　من چہ پروائے مصطفےٰ داریم

اور اپنے ظنون و اوہام کو قرآن و سنت کے مقابلہ میں کہیں زیادہ توجہ کا مستحق سمجھنے لگتے ہیں:

ظاہر ہے کہ غنوصیت کی یہ شکل ایسی ہے کہ اس کو تسلیم کر لینے کے بعد، نظام نبوت و رسالت کی یقین افروزیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ اور تزکیہ اخلاق، اصلاح نفس اور تہذیب و تمدن کے نشو و ارتقا کے سلسلہ میں انبیاء علیہم السلام کی اطاعت و پیروی قطعی ضروری نہیں رہتی۔ کشف کے اس خطرناک پہلو کی طرف علامہ نے بار بار اپنی تصنیفات میں توجہ دلائی ہے۔ اور بتایا ہے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے اس کو حق بجانب ٹھہرانے کے لیے کوئی وجہ جواز موجود نہیں!